© rasailojaraid.com

چل رہے ہیں اور اس خوش قسمت ملک کی تعمیر وترقی کے ساتھ اس کے اسلامی اقدار کے تحفظ کے لئے کوشاں ہیں۔

چونکہ عالمی سیاست پوری دنیا میں عموماً اور مشرق وسطی میں خصوصاً نہایت گھمبیر صورت حال اختیار کرتی جارہی ہے اور سعودی عرب پر اس کی اسلامی خدمات کے حوالے سے بھی خصوصی نگاہ رکھی جاتی ہے، ایسے میں انتہائی حکمت عملی سے ملک کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں۔ اور نہ صرف اپنے ملک' بلکہ سارے عالم اسلام کے دکھ درد بھی اپنے پہلو میں لیے ہوئے ہیں۔ بقول امیر:

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر　　سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

المملكة العربية السعودية واحد اسلامی ملک ہے' جہاں اسلامی نظام کے تحت حدود و قصاص کا قانون نافذ ہے۔ اسی کی بدولت یہاں کا امن وامان مثالی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے تیل وغیرہ کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔ یہاں کے حکمران ملک کی تعمیر وترقی اور حرمین شریفین کی تعظیم وتوسیع نیز حجاج بیت الحرام کی خدمات پر زر کثیر صرف کرنے کے ساتھ ساتھ دنیا جہاں کے مصائب وآلام سے دوچار مسلمانوں کی مدد کرتے ہیں اور دین اسلامی کی سربلندی اور عظمت دین کی بحالی کے لیے بے دریغ مال ودولت خرچتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ملک کو تادیر قائم ودائم رکھے اور اس کی خوشحالی برقرار رکھے۔ اس کے جملہ حکمرانوں کو دین اسلام کی سربلندی کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہنے کی مزید توفیق بخشے۔ آمین

❁❁❁❁❁❁

جہت قبلہ معلوم کرنے کا آسان اور صحیح ترین طریقہ

ہر شمسی سال کے دوران ''28 مئی'' اور ''16 جولائی'' کو مکہ معظمہ میں نصف النہار کے وقت سورج مسجد الحرام کے عین اوپر ہوتا ہے۔ روئے زمین پر اس وقت جہاں بھی دن ہو' اس وقت ہر چیز کا سایہ مکہ معظمہ کی طرف ہوتا ہے۔

قبلہ معلوم کرنے کے لیے رسی کے سرے پر کوئی وزنی چیز باندھ کر (سول) کسی ہموار مقام پر لٹکائی جائے یا سیدھی لاٹھی گاڑ دی جائے۔ پھر پاکستانی وقت کے مطابق <u>28 مئی</u> کو <u>2 بجکر 18 منٹ</u> پر یا <u>16 جولائی</u> کو <u>2 بجکر 26 منٹ</u> پر اس رسی یا لاٹھی کے سائے کی سیدھ میں لکیر کھینچ لی جائے۔ یہی لکیر سمت قبلہ کو ظاہر کرے گی۔

(بشکریہ ہفت روزہ الاعتصام 14 جولائی 2006)

❁❁❁❁❁❁

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درس قرآن

تراث رحمانی در فوائد قرآنی

محمد اسماعیل امین

﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾

(البقرۃ: ۳۴) **''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اس نے انکار کیا اور تکبر سے کام لیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔''**

سابقہ آیات سے ربط اور مختصر تفسیر:

سابقہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے سکھائے ہوئے علم کے ذریعے آدم علیہ السلام کی فضیلت اور برتری تمام فرشتوں پر واضح فرمائی۔ اس آیت مبارکہ میں آدم علیہ السلام کی تعظیم اور اعتراف فضل کے لیے اللہ پاک تمام فرشتوں کو حکم دے رہا ہے کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ اس میں جہاں آدم علیہ السلام کے لیے اللہ کی طرف سے دوسری تکریم تھی وہاں یہ فرشتوں کے لیے اس بات پر اعتذار کا موقع بھی تھا جو انہوں نے آدم علیہ السلام کے بارے میں کہی تھی۔ (البیضاوی، تفسیر لقمان، احسن البیان)

﴿واذ قلنا للملائکۃ﴾ میں (واو) حرف عطف ہے (اذ) ظرفیہ ہے۔ علمائے نحو ظرف کے لیے ایک متعلق ضروری سمجھتے ہیں۔ اس لیے یہاں (اذکر) فعل کو مقدر مانتے ہیں۔ معنی یہ ہے کہ آپ اس وقت کو یاد کریں جب ہم نے فرشتوں سے کہا۔ (قلنا) یہاں جمع کا صیغہ بطور تعظیم استعمال ہوا ہے۔

(الملائکۃ) کی لغوی تحلیل کے لیے: (التراث: ۱۵/ ۸ ملاحظہ فرمائیں۔)

﴿اسجدوا لآدم﴾ میں (اسجدوا) فعل امر ہے۔ لغت عرب میں ''سجدہ'' خشوع وخضوع اور عاجزی کا نام ہے اور ظاہری طور پر اس کی نمایاں ترین شکل پیشانی خاک پر رکھنا ہے۔ (الفرقان عن المراغی)

شریعت میں سجدے کا معنی اللہ تعالیٰ کی بندگی کے ارادے سے پیشانی زمین پر رکھنا ہے۔ (الفرقان) بعض علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو قبلہ بنا کر سجدہ اپنے لیے کرنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن یہ قول مرجوح ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ (اسجدوا لآدم) کے بجائے (اسجدوا الی آدم) فرماتا۔ بعض کہتے ہیں یہاں وہ معروف عملی سجدہ مراد نہیں۔ بلکہ آدم علیہ السلام کے سامنے اپنی عاجزی ظاہر کرنا اور اس کے فضل کا اعتراف کرنا مقصود تھا۔ تیسری رائے کے مطابق یہ سجدہ تحیۃ (سلامی) تھا، جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کے سامنے کیا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہاں حقیقی سجدہ مراد ہے۔☆ اور اللہ پاک کے حکم دینے کی وجہ سے یہ سجدہ اللہ ہی کی عبادت تھی۔(القرطبی، الشوکانی، القاسمی، تفسیر لقمان) اسی کو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی راجح قرار دیا ہے۔

سیاقِ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پہلے علم دیا پھر فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا پھر انہیں جنت میں ٹھہرایا اور یہی قول راجح ہے۔(الشوکانی)

﴿فسجدوا﴾ میں (فاء) ترتیب اور تعقیب کے لیے ہے۔ یعنی اللہ کے حکم پر فوراً تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔(ابن العثیمین) بعض کا خیال ہے کہ اس آیت میں صرف وہی فرشتے مراد ہیں جو ابلیس کے ساتھ زمین میں ہوتے تھے۔ لیکن یہ قول غلط ہے، کیونکہ اللہ نے فرمایا ﴿فسجد الملئکة کلهم اجمعون﴾ یعنی تمام کے تمام فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔(القاسمی، تفسیر لقمان) فرشتوں کا یہ سجدہ اللہ کے حکم سے عبادتِ الٰہی بن گیا تھا اور اس قسم کا سجدہ بعض مصلحتوں کی بنیاد پر سابقہ شریعتوں میں جائز تھا۔ لیکن شریعت محمدیہ میں اس کی مکمل ممانعت آئی ہے۔(الشوکانی)

﴿الا ابلیس﴾ میں (الا) حرف استثناء اور (ابلیس) مستثنیٰ منصوب ہے۔(ابلیس) ابلس عن الخیر او عن رحمة الله سے مشتق ہے۔ یعنی خیر سے یا اللہ کی رحمت سے نا امید ہونے والا اور پریشانی کی وجہ سے ندامت کرنے والا۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:(فاذا هم مبلسون) دوسرے ناموں میں اس نام کی کوئی نظیر نہ ہونے کی وجہ سے عجمیت سے مشابہ قرار دے کر غیر منصرف مانا گیا ہے۔ جس طرح اسحاق (اسحقه الله)، ایوب (آب یئوب) سے مشتق ہونے کے باوجود عجمیت سے مشابہ ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور اس کا دوسرا سبب علمیت ہے۔(الطبری، ابن عطیة، القرطبی)

ابلیس فرشتہ تھا یا جن؟

اس میں علماء کے درمیان قوی اختلاف پایا جاتا ہے:

{1} وہ اصلاً فرشتہ تھا۔ امام قرطبی نے اس قول کو جمہور کی طرف منسوب کیا ہے اور امام طبری وغیرہ نے اسے راجح قرار دیا ہے۔ لیکن اللہ کے صریح فرمان ﴿الا ابلیس کان من الجن﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جن تھا۔ فرشتوں کی جنس جنات سے مختلف ہونے کی وجہ سے ترجمان القرآن ابن عباسؓ وغیرہ سے اس بارے میں مختلف توجیہات و تاویلات منقول ہیں:

(ا) وہ اصل میں فرشتہ تھا اور جنت کا داروغہ تھا، پھر وہ ملعون ہو گیا تو جنّة کی مناسبت سے اسے (جن) کہا گیا۔

☆ تیسری رائے اور قول جمہور میں کافی یگانگت پائی جاتی ہے۔ خاندان یعقوب، حضرت یوسف علیہ السلام کی تعظیم اور شکر گزاری میں حسب اجازتِ شریعت سجدہ ریز ہوئے۔ اور فرشتے، آدم علیہ السلام کی تعظیم میں بامر الٰہی سجدہ ریز ہوئے۔ یہی عملی سجدہ ہے اور ہر دو جگہ اس سے تعظیم و توقیر مسجود مراد ہے۔ ان دونوں میں فرق کرنا تکلف سے خالی نہیں۔ واللہ اعلم (عبدالوہاب خان)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ب) فرشتوں کے ایک قبیلہ کا نام بھی جن تھا اور ابلیس اسی قبیلہ سے تھا۔

(ج) ''جن'' کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ نظروں سے اوجھل رہتے ہیں۔ چونکہ فرشتے بھی اس معنی میں جنات کے ساتھ مشترک ہیں اس لیے ابلیس کو جن کہا گیا ہے۔

(د) قولہ تعالی: ﴿وجعلوا بینہ وبین الجنۃ نسبا﴾ یہاں (الجِنۃ) سے مراد فرشتے ہیں۔ مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور حضرت ابن عباسؓ سے اس بارے میں متعدد روایات منقول ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ابلیس پہلے باعزت اور عبادت گزار تھا، وہ چار پروں والا فرشتہ تھا۔ بلکہ جنت کا خازن ہونے کے ساتھ آسمان دنیا کا سلطان بھی تھا اور اس کا نام عزازیل اور حارث تھا بعد میں اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے ملعون ہوگیا۔

اگر ابلیس کو ''فرشتہ'' تسلیم کیا جائے تو یہاں استثناء متصل ہوگا۔

{2} حضرت ابن مسعود، حسن بصریؒ اور ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ ابلیس جن تھا۔

حضرت ابن عباس ﷺ کی طرف بھی اسی رائے کی نسبت کی گئی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ سے صحیح سند سے مروی ہے کہ جس طرح آدم ابوالبشر ہے، اسی طرح ابلیس ابوالجن ہے۔☆

اس قول کی تائید میں درج ذیل ادلہ پیش کیے جاتے ہیں:

(1) اللہ نے صراحت کے ساتھ فرمایا (کان من الجن) ''وہ جنوں میں سے تھا۔''

(2) اگر وہ فرشتہ ہوتا تو وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرتا، کیونکہ اللہ نے فرشتوں کے بارے میں فرمایا ﴿لا یعصون اللہ ماامرھم ویفعلون ما یؤمرون﴾ (التحریم/٦)

☆ امام حسن بصریؒ کا یہ قول محل نظر ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿واذ قلنا للملئکۃ اسجدوا لآدم فسجدوآ الآ ابلیس کان من الجن ففسق عن امر ربہ أفتتخذونہ وذریتہ اولیآء من دونی وھم لکم عدو بئس للظلمین بدلاً﴾ (الکھف/٥٠)

١۔ (کان من الجن) یہاں مِن تبعیض کا معنی دیتا ہے، یعنی ابلیس نسلاً جنوں میں سے ایک فرد تھا۔ اس کا ''ابوالجن'' ہونا کسی نص سے ثابت نہیں۔

٢۔ (افتتخذونہ وذریتہ اولیاء) شوکانیؒ: ذریتہ سے مراد اس کی اولاد ہے۔ (فتح القدیر ٣/٢٩٣) ناصر السعدیؒ: یعنی الشیاطین [تیسر الکریم الرحمن ١/٦٤٤] اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے تکبر و عداوت کی روشنی میں اہل اسلام کو تنبیہ فرمائی ہے کہ خبردار! ابلیس اور اس کی نسل سے محبت کر کے اللہ کی محبت سے محروم نہ ہوجانا، حالانکہ یہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ [الانعام/ ١١٢] میں ابلیس کی نسل کو شیاطین الجن اور [الشعراء/٩٥] میں جنود ابلیس کہا گیا ہے۔

(٣) جنوں میں سے بہت سے اہل ایمان اور داعی اسلام بھی ہیں۔ [دیکھیے: سبأ: ١٢، الاحقاف: ٢٩، الصافات: ١٥٨، الجن: ١]

لہذا ابلیس ابوالجن نہیں، بلکہ ''ابوالشیاطین'' ہے۔ واللہ أعلم (عبدالوھاب خان)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(3) اللہ نے ابلیس کی اولاد اور نسل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ﴿افتتخذونہ وذریتہ اولیاء من دونی﴾ جبکہ فرشتوں میں تناسل وتوالد کی صفت نہیں پائی جاتی۔

(4) جب فرشتوں نے جنات کو زمین سے مار بھگایا تو ابلیس کو قیدی بنا کر پکڑا تھا۔ وہ اس وقت سے فرشتوں کے ساتھ عبادت کرتا رہتا تھا۔ آخری توجیہ کو بعض علماء نے ضعیف کہا ہے کیونکہ بعض آثار کے مطابق فرشتوں نے جب جنات پر حملہ کیا تو اس وقت فرشتوں کی قیادت ابلیس کر رہا تھا۔ اس قول کو تسلیم کرنے کی صورت میں مستثنی منقطع ہوگا۔ (الطبری، القرطبی، ابن عطیة، الشوکانی، القاسمی) یہی دوسرا قول زیادہ قوی نظر آتا ہے۔ انتھی

نص قرآنی (کان من الجن) کی تاویل میں بہت زیادہ تکلفات ہیں۔ قول اول کی سب سے قوی دلیل فقرہ نمبر (د) نظر آتی ہے۔ لیکن (وجعلوا بینہ وبین الجنة نسباً) میں الجنة سے مراد فرشتہ لینے میں بھی اختلاف ہے۔

نیز اس آیت میں (کان من الجنة) نہیں فرمایا، اس لیے یہ دلیل بھی محتمل ہوئی۔ ابلیس پہلے سے فرشتوں کے ساتھ عبادت کرتا رہتا تھا، اس لیے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے حکم میں شامل تھا اور اسی قول کو ابن العثیمین وغیرہ نے بھی راجح قرار دیا ہے۔

بعض علماء احتمال بیان کرتے ہیں کہ سجدہ کرنے کے حکم میں فرشتوں کے ساتھ جنات بھی شامل تھے، جنات کے مقابلے میں فرشتوں کے فضل وشرف کی وجہ سے ان ہی کا تذکرہ ہوا ہے۔ (معارف القرآن)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اسی قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ابلیس کے فرشتہ ہونے کے بارے میں سلف صالحین سے منقول آثار میں سے اکثر اسرائیلی روایات ہیں جو کہ کمی بیشی اور تحریف سے پاک نہیں۔ نیز قرآن مجید کا بیان ہی ہمارے لئے کافی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر عند قولہ تعالی (کان من الجن)

ابلیس کے جن ہونے کے دلائل بہت ہیں۔ ایک حدیث میں ہے" جب شیطان اذان اور اقامت سنتا ہے تو گوز مارتے ہوئے بھاگتا ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب فضل التاذین رقم الحدیث: ۶۰۸)

اکثر شراح حدیث کے نزدیک یہاں شیطان سے مراد ابلیس ہے۔ (فتح الباری ۲/۶۰۸) گوز کا خارج ہونا جنات کی صفت ہے نہ کہ فرشتہ کی۔ واللہ اعلم

﴿ابی واستکبر﴾ میں الاباء امتناع باختیار یعنی اپنی مرضی اور ارادے سے کسی کام سے رک جانے کو اباء کہا جاتا ہے۔ اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھنا تکبر ہے اور استکبار خود کو بڑا ظاہر کرنے کی پرتکلف کوشش کو کہا جاتا ہے۔ (البیضاوی) استکبار میں الف اور سین مبالغہ پر دلالت کرتے ہیں۔ (القاسمی) انکار تکبر کا مقدمہ ہے اور تکبر، دل کے اندر پوشیدہ شر کا مقدمہ ہوتا ہے۔ (ابن عطیة)

© rasailojaraid.com